خطبہ جمعہ

آیت الکرسی کے فضائل اور اس میں موجود مضامین کا نہایت روح پرور بیان

علوم کے جو باب تاریخ نے ہمارے سامنے کھولے ہیں ہر نئے باب کے کھلنے کا اس آیت کریمہ سے تعلق ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۱۲؍ فروری ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۲؍ تبلیغ ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیّومُ لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ. لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرْضِ. مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلاَّبِاِذْنِهٖ. یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَلاَ یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّبِمَا شَآءَ. وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ وَلاَ یَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾.

(سورة البقره :۲۵٦)

اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ یہاں سب سے پہلے لفظ اَللّٰه رکھا گیا ہے اور اسی لفظ کی تشریح ہے پھر۔ یہ اسم باری تعالیٰ ہے جس کے آگے تمام آیت الکرسی اسی لفظ اَللّٰه کی مختلف صفات پر روشنی ڈالنے والی ہے۔ صرف اللہ۔ اس کا ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔ اور ایک وہ ترجمہ بھی جو ہمارے ہاں بخدا درویشوں کی زبان پر ہمیشہ سے جاری رہا ہے۔ اللہ ہی اللہ، اللہ ہی اللہ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب انسان دعا سے بھی عاجز آچکا ہو اتنا بیمار ہو اور کچھ پیش نہ جائے تو اسکے منہ سے اللہ ہی نکلتا ہے پھر۔ اور وہی اس کے لئے دعا بن جاتی ہے۔ میرے نزدیک سب دعاؤں سے زیادہ جامع دعا لفظ "اللّٰه" ہے اور بیمار بھی اللہ ہی اللہ کہتا رہتا ہے۔ پس آیت الکرسی میں جو مضامین بھی بیان ہوئے ہیں وہ لفظ اللہ کے تابع ہیں۔ اللہ کا اسم ذاتی بھی اللہ ہی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن جہاں جہاں بھی حسب موقع ضرورت پیش آئے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے بھی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سب سے پہلے تو ترجمہ مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ زندہ اور قائم بالذات ہے۔ الحی، القیوم، زندہ ایسا زندہ نہیں جسے کسی اور نے زندہ رکھا ہوا ہے۔ القیوم کے ساتھ الحی لفظ کو باندھ دیا گیا ہے یعنی خود زندہ ہے اور قائم بالذات ہے۔ لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ یہ اس کا ایک طبعی تقاضا ہے، الحی القیوم کا کہ اس کے بعد لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ کا ٹکڑا آنا چاہئے تھا۔ اسے نہ تو اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ جو قائم بالذات ہو اسے نیند آ ہی نہیں سکتی۔ نیند کا نہ آنا تو انسان کی بیماری ہے، اس کی کوئی اعلیٰ صفت نہیں ہے۔ نیند کا آنا ثابت کرتا ہے کہ انسان تھک چکا ہے۔ اور اس کی تھکاوٹ دور کرنے کے لئے کچھ دیر کے لئے اس کو نیند چاہئے اور اونگھ بھی نیند ہی کا پیش خیمہ ہے۔ اس لئے سنة کو پہلے رکھا گیا کہ نہ تو اسے اونگھ پکڑتی ہے، نہ نیند۔ جیسے کہ انسان بہت تھک جائے اور مزید توجہ کے ساتھ کام نہ کر سکے تو اونگھتا رہتا ہے۔ کاموں میں اونگھتا ہے اور پھر بوریت کے نتیجے میں بھی اونگھتا ہے۔ بعض دفعہ انسان تھکا ہوا نہ بھی ہو مگر ایسی مجلس میں بیٹھا ہو جس مجلس میں بیٹھنا اس کے لئے بوریت پیدا کرتا ہے مثلاً دینداروں کی مجلس میں وہ لوگ جو بے دین ہوں اور جو باتیں سمجھ سکتے ہوں مگر پھر بھی بیٹھے اونگھتے رہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ان باتوں میں دلچسپی کوئی نہیں ہے۔ دلچسپی زندہ رکھتی ہے اور دلچسپی اونگھ کا علاج بھی ہے۔ تو ان آیات کا باہمی تعلق اس طرح بنے گا کہ اسے تو ہر چیز میں جو اس نے پیدا کی ہے دلچسپی ہے اگر وہ اونگھے گا تو کائنات مٹ جائے گی۔ اور کائنات کا سہارا ایک لحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک لحہ بھی اس سے غفلت برتے گا تو کائنات کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ اور غفلت نہ برتنے کا ایک طبعی عمل ہے جس میں زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں کہ خدا زور لگا رہا ہے کہ غفلت نہ برتوں۔ بلکہ چونکہ اسی کی چیز ہے اس لئے اپنی چیز کی ہمہ وقت حفاظت کے لئے انسان طبعاً مائل ہو جاتا ہے اور ایسا شخص جس کو اس کے لئے محنت اور تکلیف نہ اٹھانی پڑے وہ کیوں نہ مائل رہے تو لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ اسے ایک لحہ کے لئے بھی اونگھ نہیں پکڑتی کیونکہ ہمہ وقت وہ اپنی مخلوقات میں دلچسپی رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کی دلچسپی کا فقدان کائنات کے لئے موت ہے۔ اور اس نے چونکہ ایک ارتقائی نظام جاری کیا ہے جو ازل سے ابد تک جاری ہے اس کی ساری کائنات صرف ہم ہی تو نہیں جو اس دنیا میں ہیں۔ پس ازل سے کتنی ہی کائناتوں کا مالک چلا آیا ہے۔ کتنی ہی کائناتوں کو زندگی بخشتا رہا ہے اور یہ تسلسل ٹوٹ نہیں سکتا۔ اگر خدا کی ذات میں ازلیت ہے اور ابدیت ہے تو اس کی مخلوقات میں بھی اس کی بناء پر ازلیت اور ابدیت ہو گی۔ پس وَلاَ نَوْمٌ اُونگھ کی اگلی شکل ہے۔ نوم کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اسے عربی میں کہا جاتا ہے کہ اَلنَّوْمُ اُختُ الْمَوْتِ۔ موت کی بہن ہے اور موت انسانوں کے لئے آرام کی جگہ ہے۔ انسان اپنی زندگی گزار کے جب تھک جائیں تو پھر وہ موت کو طلب کرتے ہیں ایک نعمت اور راحت کے طور پر۔ اس لئے موت کی شکل نیند ہے، نیند میں بھی وقتی طور پر وہ راحت مل جاتی ہے۔ پس اگر کسی کو نیند آئے اگرچہ بیمار خواتین بھی میرے پاس آتی ہیں اور بعض بیمار مرد بھی ایسے آتے ہیں جو پاگل پن کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور بعض پاگل ہو بھی جاتے ہیں کہ ان کو نیند نہیں آتی حالانکہ نیند موت ہی کی تو ایک شکل ہے۔ زندگی شعور کا نام ہے۔ زندگی ہمہ وقت چیز کو دیکھنے اور سمجھنے کا نام ہے تو کیوں وہ سو جانا چاہتے ہیں دراصل وہ موت ہی کی ایک قسم چاہتے ہیں۔ اور جب نیند نہ آئے تو موت کی دعائیں کرتے ہیں اور بعض دفعہ کہتے بھی ہیں کہ ہمارے لئے اب موت کی دعا کرو نیند نہیں آرہی۔ یعنی موت نہیں آرہی اس لئے موت کی دعا کرو۔ یہ ایک ہی لفظ کے دو متبادل اظہار ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جسے کوئی اونگھ تک نہیں آتی اسے نوم کیسے آئے گی۔ اور نوم آرام اور راحت کا دوسرا نام ہے۔ تھکے ہوئے آدمی کو ضرورت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز تھکاتی نہیں کیونکہ وہ ازل سے ابد تک رہے گا اور اس میں یہ ایک گہری حکمت ہے کہ اسے کوئی چیز تھکاتی کیوں نہیں۔ تھکانے کے لئے تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جس ذات میں تبدیلی کوئی نہ ہو وہ تھک سکتی ہی نہیں۔ تمام سائنسدان اس پر متفق ہیں۔ کوئی عقل والا اس سے اختلاف کر ہی نہیں سکتا کہ انسانی زندگی میں ہمہ وقت تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں اور وہی تبدیلیاں ہیں جو دراصل انسان کو بوڑھا کرتی چلی جاتی ہیں، اسے تھکا دیتی ہیں، اور بالآخر موت کی طرف اس کی حرکت ہوتی ہے یعنی اس کا آخری رخ موت ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق میں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں تفصیل سے بیان کیا تھا کہ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کی ذات میں تبدیلی کوئی نہیں۔ جہاں اس کی ذات کے ساتھ تبدیلی کا تصور باندھیں گے وہیں خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک تبر رکھ دیں گے۔ یعنی آپ تو نہیں تبر رکھ سکتے مگر آپ کے تصور میں جو خدا ہے وہ ختم ہو جائیگا۔ یعنی جہاں تبدیلی آئے وہاں خدا کا وجود ختم۔ جس کا مطلب ہے وہ تھک بھی جائے گا۔ تبدیلی تھکاوٹ کو چاہتی ہے اور تبدیلی کے نتیجہ میں لازماً پھر یا گہری نیند آنی چاہئے یا موت واقع ہو جانی چاہئے۔

پس خدا کی ذات ہر تبدیلی سے پاک ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کو دنیا کے عظیم ترین فلسفیوں نے بھی اٹھایا ہے اور اس سے نپٹتے نپٹتے تھک گئے ہیں اور پہلے بھی ایک دفعہ میں نے بیان کیا تھا کہ سب سے اعلیٰ

بات جو فلسفے کی دنیا میں سب سے چوٹی کی بات کہی گئی ہے اس معاملہ میں وہ یہ ہے کہ خدا وجہ اول ہے اور وجہ اول ہونے کی وجہ سے اس میں تبدیلی ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ تبدیلی ہو تو وہ وجہ اول نہیں بنتا۔ یہ ایک پیچدار فلسفیانہ مسئلہ ہے جسے اکثر لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ یا بچے اور جوان اس کو نہیں سمجھ سکیں گے جن کو پہلے سے ہی فلسفہ میں دلچسپی نہ ہو وہ اس مضمون کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اتنا یقینی امر ہے اسے سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ جو ذات تبدیل ہو گی وہ کم و بیش ہو گی اور گھٹے گی اور بالآخر اس کی قوت ختم ہو جائے گی۔

پس خدا تبدیل نہ ہونے کی وجہ سے دائمی قوت رکھتا ہے اور اس کی دائمی قوت کائنات کے دائمی وجود کی وجہ سے بنتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں آیت الکرسی پر ذرا غور کریں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ کتنی عظیم الشان آیت ہے۔ اس آیت کو سمجھ لیں تو ساری کائنات کا وجود سمجھ آجاتا ہے۔ اس آیت کو سمجھ جائیں تو خدا تعالیٰ کو اگرچہ انسان سمجھ تو نہیں سکتا مگر اس کے تعلق میں جتنا بھی اس پر خدا روشن ہو سکتا ہے وہ اس آیت الکرسی سے روشن ہو جائے گا۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الاَرْضِ وہ مالک ہے جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے۔ یہ بھی اس آیت کے پہلے ٹکڑوں کا ایک طبعی نتیجہ ہے جو نکالا گیا ہے۔ اگر اس کا ہے تو وہ اس کا خیال کرے گا۔ اور اسے اونگھ نہیں آتی اور نیند نہیں آتی کیونکہ اس کا ہے سب کچھ اور اسے اس نے زندہ رکھنا ہے۔

مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلاَّبِاِذْنِهٖ کون ہے جو اس کے حضور شفاعت کر سکے مگر اس کے اذن کے ساتھ۔ جب سب کچھ اسی کا ہے تو ان کو بخشنا بھی تو اسی کا فیصلہ ہو گا۔ اور اگر بخشنا اسی کا فیصلہ ہے تو اس کی مرضی کے خلاف کوئی شفاعت کیسے کر سکتا ہے۔ پہلے وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کسی کے لئے بخشش مقدر ہے یا نہیں یا بخشش مناسب ہے کہ نہیں۔ اور جن کے گناہ بخشنے کے متعلق وہ فیصلہ فرمالیتا ہے کہ یہ اس لائق ہیں کہ کمزوریوں کے باوجود ان کمزوریوں کے نتیجہ سے ان کو محفوظ رکھا جائے جو عذاب ہے تو یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کسی انسان میں کمزوریاں نہ ہوں۔ بشریت کمزوری ہی کا دوسرا نام ہے۔ پس بشری کمزوریاں ہوں یا بالارادہ عصیان ہو دونوں صورتوں میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے جس کی ملکیت سب کچھ ہے کہ اس میں سے کس کو میں نے معاف کر دینا ہے، کس کو نہیں کرنا۔ اب لفظ ملکیت کا معافی سے بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ عادل بعض گناہ بخش نہیں سکتا اور جو مالک ہے وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جس چیز کو چاہے بخش دے مگر جو چاہتا ہے وہی چاہتا ہے جو حکمت پر مبنی ہو۔ اس لئے شفاعت کا مضمون یہاں مختصراً یوں بیان ہوا مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلاَّبِاِذْنِهٖ.

اب مَنْ کے تعلق میں یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اول طور پر آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ کون ہے جسے وہ شفاعت کی اجازت دے سکتا ہے سوائے اس کے کہ خود وہی ہے جو اجازت دے سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اجازت دی گئی ہے اس پر کامل اعتماد ہے کہ وہ بوجوہ شفاعت کرنے کا اہل ہے۔ ان وجوہ میں ایک یہ کہ وہ کوئی ایسی شفاعت نہیں کر سکتا جو اللہ کی رضا کے خلاف ہو۔ کیونکہ اس کو شفاعت کا حق ہی اس کی کامل رضاجوئی کے نتیجہ میں ملا ہے۔ جو سو فیصد اللہ کی رضا پر نظر رکھتا ہے تو لازم ہے کہ جب وہ شفاعت کرے گا تو ایک ذرہ بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو رضائے باری تعالیٰ کو اس کے ہاتھ سے ضائع کر دے۔ وہ تو رضائے باری تعالیٰ سے چمٹا ہوا ہے۔

دوسرا شفاعت کا مضمون جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اقتباسات میں آپ کے سامنے پڑھوں گا شُفع سے نکلا ہوا ہے۔ یعنی دو اور اس کی تفصیل کیا ہے یہ پیشتر اس کے کہ میں بیان کروں میں میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے پڑھ کر آپ کے سامنے رکھوں گا پھر آپ کو شفاعت کے حقیقی معنے سمجھ آئیں گے۔

اس کے بعد فرمایا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ جن لوگوں کی شفاعت مقصود ہے جن کو بخشنا مقصود ہے ان کا ماضی بھی خدا پر روشن ہے ان کا مستقبل بھی خدا پر روشن ہے۔ ایک معنی شفاعت کے تعلق میں یہ بنتا ہے۔ کوئی چیز بھی خدا سے چھپی ہوئی نہیں اور جن کو اجازت دینی ہے شفاعت کی ان کا ماضی بھی اللہ پر روشن ہے اور ان کا مستقبل بھی خدا پر روشن ہے۔ اور اس آیت کے اس حصہ کے کچھ اور معانی بھی ہیں جس کے متعلق میں نسبتاً بعد میں تفصیل سے روشنی ڈالوں گا۔

وَلاَ يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّبِمَا شَاءَ کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر، اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مرضی کے بغیر احاطہ نہیں کر سکتی، جب مرضی ہو تو احاطہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ فرمایا وَلاَ يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّبِمَا شَاءَ اتنا ہی یہ احاطہ کر سکتی ہے جتنا وہ چاہے۔ اور جب چاہے گا اس کو اتنا احاطہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیائے علم میں جتنا بھی انسان ترقی کرتا ہے یہ بھی مقدر کے تابع ہے۔ از خود انسان کے لئے علمی ترقی اس کا ذاتی خاصہ نہیں جب تک اس کی صلاحیتیں، اول تو صلاحیتیں بھی خدا ہی کی پیدا کردہ ہیں، جب تک اس کی صلاحیتوں کو خدا ہر موقعہ کے لئے خاص اجازت نہ دے کہ اب ان صلاحیتوں کو اس حصے میں تم استعمال کر سکتے ہو۔ تو **علوم کے جو باب تاریخ نے ہمارے سامنے کھولے ہیں ہر نئے باب کے کھلنے کا اس آیت کریمہ سے تعلق ہے** کہ وَلاَ يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّبِمَا شَاءَ جب چاہتا ہے علوم کا ایک نیا دروازہ کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس وقت چاہتا ہے جب انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ گویا کہ علوم کی دائمی ترقی کا اس آیت کریمہ کے ساتھ اور خصوصاً اس ٹکڑے کے ساتھ تعلق ہے وَلاَ يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّبِمَا شَاءَ.

پھر فرمایا وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ اس کا عرش زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ اور کرسی علم کو بھی کہتے ہیں اور اس موقعہ پر علم کا ترجمہ بھی ممکن اور درست ہو گا کہ اس کا علم ساری کائنات پر محیط ہے۔ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ سے مراد کسی انسان کے جو فانی انسان ہے اس کے پس منظر اور اس کے سامنے آنے والے واقعات سے تعلق نہیں بلکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کے ماضی سے تعلق ہے اور جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔

وَلاَ يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں اور وہ بہت بلند شان اور بڑی عظمت والا ہے۔ یہ جو حصہ ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ وَلاَ يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ اس کے متعلق میں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالوں سے ایک ایسا مضمون بیان کروں گا جو اس سے پہلے غالباً کسی مفسر کو نہیں سوجھا۔ اور بنیادی حصہ ہے۔ اس مضمون کو سمجھے بغیر اس آیت کریمہ کی سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔ اس لئے یہ مضمون لازماً حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی ہوا اور آپ پر روشن ہوا مگر اس کی تفاصیل کو جس طرح ظاہر کرنا مقدر تھا وہ اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد فرمایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے طور پر آپ کو یہ مضمون سمجھایا ہے اور **یہ وہ علوم کا دور ہے جس میں اس مضمون کا سمجھنا خدا پر ایمان قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے** کیونکہ اگر اس مضمون کی اہمیت کو آپ نہ سمجھیں تو یہ وہ زمانہ آگیا ہے جس میں خدا کا نام لینا بھی ایک جرم بن چکا ہے۔

اکبر کہتا ہے رقیبوں نے تھانے میں رپٹ لکھوادی ہے کہ اس زمانے میں اکبر خدا کا نام لے رہا ہے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں ۔۔۔ کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں۔

یہ کوئی زمانہ ہے خدا کی باتیں کرنے کا۔ اور یہ زمانہ آج سے بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ اکبر الہ آبادی کو مرے ہوئے بھی مدتیں گزر گئیں تو آج کے زمانے پر تو یہ اور بھی زیادہ صادق آتا ہے۔ اور واقعۃً جس قدر دہریت کا اس عالم پر پنجہ گاڑا گیا ہے اس سے پہلے غالباً کائنات میں کبھی بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ اور اسی وقت ضرورت ہے آیت الکرسی کے مضامین کو روشن کرنے کی۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت الکرسی پر بہت عارفانہ قلم اٹھایا ہے۔ عارفانہ طور پر زبان کھولی اور زبان کے ذریعہ بھی ملفوظات میں اس بات کو بیان فرمایا اور قلم کے ذریعہ تحریروں میں اس کی تفاصیل بیان فرمائیں۔

اس مختصر تشریحی ترجمہ کے بعد میں اب ایک حدیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت ابن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اس وقت یہ کہتے ہوئے سنا جب آپ اصحاب الصفہ کے پاس تشریف لے گئے تھے اور اصحاب الصفہ میں سے کسی نے آنحضورؐ سے سوال کیا اور اس سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے جو فرمایا اس کا تعلق آیت الکرسی سے ہے۔ کسی شخص نے کیا پوچھا۔ یہ پوچھا کہ قرآن میں کونسی آیت عظیم ترین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الحروف و القراءت) یعنی یہ آیت کریمہ جس کے اس حصے کی تلاوت آپ نے فرمائی یہ قرآن کریم میں عظیم ترین آیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم تمام تر "اللّٰه" کے لفظ کے گرد گھومتا ہے اس لئے جس آیت میں اللہ کے متعلق ایسے بیانات ہوں کہ اس جیسے بیان دنیا کی کسی کتاب میں نہ ہوں وہی آیت لازماً عظیم ترین ہو گی۔

اسی طرح سنن الترمذی ابواب فضائل القرآن میں یہ حدیث درج ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا، ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے۔ اصل میں چوٹی کے بجائے جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ کوہان بنتا ہے۔ تو جیسے اونٹ کا کوہان ہوتا ہے جو اونٹ میں سب سے اونچا ہوتا ہے اسی طرح آپ نے فرمایا ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے اور اس میں ایک عظیم الشان آیت ہے جو قرآن کی آیات کی سردار ہے۔ یہ آیت الکرسی ہے۔

تو سورۃ البقرہ چوٹی اس آیت کی وجہ سے بنی ہے کیونکہ سب سے بلند آیت جو سارے قرآن میں موجود ہے وہ یہی آیت ہے اور جس سورۃ میں ہے لازماً یہ اس کا کوہان بن گئی۔ اس کوہان سے بھی اونچی نکل گئی۔

ایک اور حدیث صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها سے لی گئی ہے۔ یعنی صحیح مسلم کی کتاب سے اس باب کے تابع یہ حدیث یوں درج ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا اے ابو منذر! کیا تو جانتا ہے کہ کتاب اللہ میں تیرے پاس کونسی آیت عظیم ترین ہے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اے

ابو منذر! کیا تو جانتا ہے کہ کتاب اللہ کا جو حصہ تجھے یاد ہے اس میں سے کونسی آیت عظیم ترین ہے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صحابہ پر ایسی گہرائی کے ساتھ اور اس تفصیل کے ساتھ نظر رہتی تھی کہ یہ بھی علم رکھتے تھے کہ کس صحابی نے کونسی آیات یاد کرلی ہیں۔ اور چونکہ آپ کو علم ہونا ہی صحابی کے لئے ایک فخر کا موجب بنتا تھا اور جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے علم کے نتیجے میں میرے اس یاد کئے ہوئے میں برکت پڑے گی۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں یہ شوق تھا کہ جو قرآن حفظ کریں اس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بھی مطلع رکھیں۔ تو جو بھی صورت تھی اس کا ضرور آنحضور کو علم تھا کہ سوال کو اب میں پورا کھول دوں تو پھر اس کو بات یاد آجائے گی۔ فرمایا۔ میں نے یہ پوچھا ہے کہ کتاب اللہ کا جو حصہ تجھے یاد ہے اس میں سے کونسی آیت عظیم ترین ہے۔ وہ فوراً سمجھ گئے۔ جس طرح پہیلی بجھانے کے لئے بعض دفعہ اشارے کئے جاتے ہیں تاکہ مضمون کی حقیقت کو پہیلی بوجھنے والا پا جائے۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے اس نے سنا تو بے اختیار عرض کی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ بلاشبہ جو حصہ مجھے یاد ہے اس میں یہ عظیم ترین ہے۔ اور باتوں کے علاوہ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حدیث سو فیصد صحیح ہے کیونکہ ہر صحابی کو خصوصاً ابو منذرؓ کو تو سارا قرآن یاد ہی نہیں تھا۔ وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ سارے قرآن میں یہ عظیم ترین ہے کیونکہ جتنا قرآن یاد نہیں اس میں پتہ نہیں کیا کیا اور چیزیں ہونگی۔

پس آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے وہ ٹکڑا اس کو یاد کرادیا۔ اس ٹکڑے میں ہے وہ آیت۔ راوی کہتے ہیں اس پر آپؐ نے میرے سینے میں ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابو منذرؓ علم تجھے مبارک ہو۔ یہ آیت یعنی آیت الکرسی علم کا منبع ہے۔ پس اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اس آیت پر غور کرتے رہو تو تمہارا سینہ اللہ تعالیٰ علوم سے بھر دے گا۔ اور اس کے اس حصہ کی طرف خصوصیت سے اشارہ تھا کہ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ کہ وہ اس کے علم کے ایک حصہ پر بھی قادر نہیں ہوسکتے، احاطہ نہیں کرسکتے۔ سوائے اس حصہ کے جس پر اللہ تعالیٰ چاہے کہ ان کو علم ہو جائے۔ اتنا ہی علم پائیں گے جتنا خدا ان کو عطا فرمائے گا اور جب عطا فرمائے گا۔

اب اس آیت کریمہ میں لفظ الحیّ اور القیّوم یہ دو جو صفات باری تعالیٰ بیان فرمائی گئی ہیں اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات سے الحی اور القیوم کے الفاظ کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰، ۱۷/مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۶ میں یہ درج ہے۔

"جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں۔ الحی اور القیوم۔ الحی کے معنی ہیں خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا"۔ یہ کیسے نکالا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ اَلْحَیّ کا مطلب ہے "خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا"۔ اس لئے کہ اللّٰہ کے بعد یہ لفظ آئے ہیں۔ ایک ہی اللہ ہے اور اگر اس کے سوا کوئی زندہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں تو وہ ایسا زندہ ہے جو اپنی زندگی سے دوسروں کو بھی حصہ دیتا ہے۔ جب اس کے سوا ہے ہی کچھ نہیں تو زندہ چیزیں ہمیں کیسے دکھائی دے رہی ہیں۔ تو اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الحی کی یہ تشریح فرمائی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ زندہ ہے بلکہ فرمایا زندہ اور دوسروں کو زندگی دینے والا ہے۔

پھر فرمایا "القیّوم خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصل باعث"۔ وہی استنباط جو حیّ کے ساتھ ہے وہی قیّوم کے ساتھ ہے کہ خود بھی قائم اور دوسروں کو بھی قائم کرنے والا۔ ہر ایک چیز کا ظاہری باطنی قیام اور زندگی انہی دونوں صفات کے طفیل سے ہے"۔ ظاہری اور باطنی قیام۔ یہ دنیا میں جو ہم وجود دیکھتے ہیں ہمیں ان کا ظاہری قیام نظر آتا ہے۔ تو یہ ظاہری قیام بھی تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مبنی ہے۔ جب تک وہ چاہے قائم رہیں گی۔ لیکن باطنی قیام کا ہمیں علم ہو ہی نہیں سکتا اور باطنی قیام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فیصلے پر مبنی ہے۔ کوئی جتنا قیام چاہے اتنا عطا کرتا ہے یعنی قیام کے متعلق یہ کہنا کہ کوئی جتنا چاہے یہ دو معنے رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ہر شخص کا قیام ہر دوسرے شخص کے برابر نہیں ہوتا۔ ہر شخص کی صفات مختلف ہیں اور ان صفات پر استحکام الگ الگ ہے۔ اور ان صفات کے قائم ہونے کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ ایک شخص کا قیام دوسرے شخص کے قیام سے نہیں ملتا۔ تو باطنی قیام میں اس قیام کی گہرائی بھی مراد ہے کہ کس حد تک اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو گہرائی میں قیام عطا فرمایا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریحات میں یہ سارے معانی موجود ہوتے ہیں اور آپ کی تحریر اس لئے عام آدمی کے لئے سمجھنی مشکل ہے کہ ایک ایک ٹکڑے پر ٹھہر ٹھہر کر جو ضرورت ہے سمجھنے کی وہ یا وقت میسر نہیں آتا یا انسان اتنی توجہ نہیں دے سکتا کہ اس کی گہرائی تک اتر کر دیکھ سکے۔

فرمایا "ہر ایک چیز کا ظاہری و باطنی قیام اور زندگی انہی دونوں صفات کے طفیل سے ہے۔ پس حی کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے جیساکہ اس کا مظہر سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے اور القیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے۔ اس کو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے"۔ اب یہ ایک استنباط ہے جو پھر آگے سمجھنا مشکل اور اس کا تعلق ذہن میں قائم کرنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے اگر کسی کو ان امور کا باہمی تعلق معلوم ہو جائے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ ہی نے یہ تعلق عطا فرمایا تھا اور اسی تعلق کو جو آپ نے سمجھا آپ نے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مگر ہمارا کام یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر تفصیل سے غور سے دیکھیں اور سمجھیں کہ کیا تعلق ہے۔

فرمایا: "حی کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے"۔ حی کے لفظ کا عبادت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ایک مطلب یہ ہے کہ غلام کا اپنا کچھ نہیں ہوتا اور اس کی زندگی کا انحصار مالک کی مرضی پر ہوا کرتا ہے۔ یعنی عبد دنیا میں تو ایسے بھی ہونگے جو بھاگ سکتے ہیں اور اپنی زندگی کا انتظام باہر سے بھی تلاش کرسکتے ہیں۔ مگر جو اللہ کا عبد ہے وہ چاہے ظاہری عبد ہو یا حقیقی عبد ہو۔ اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ زندگی خدا کی مرضی کے بغیر قائم رکھ سکے۔ تو یہ تعلق ہے جو عبد کے ساتھ حیات کا ہے۔ فرمایا: "حیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے جیساکہ اس کا مظہر سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے"۔ اور حی کا لفظ یہ بھی چاہتا ہے، اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی طرف اشارہ کرکے ان مضامین کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دہرایا نہیں جن پر دوسری جگہ تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔ یعنی یہ سمجھتے بھی ہیں کہ زندگی خدا کے سوا کسی کو حاصل ہی نہیں ہے اور سب کچھ اسی کا ہے۔ مالک وہ ہے۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے کلام کے معاً بعد اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا لفظ آتا ہے۔ تو یہ التجا کرتے رہے ہیں وہ بندے خدا کے جو حقیقت میں بندے ہیں۔ اور وہ بندے بھی جو حقیقت میں زندہ نہیں، ظاہری طور پر زندہ ہیں۔ وہ جب اس بات کو سمجھتے ہیں تو یہ ان کے منہ سے بے اختیار نکلتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔

اب جہاں ظاہر کا تعلق ہے وہاں بعض دفعہ یہ کلام زبان حال کا کلام کہلاتا ہے۔ منہ سے اعتراف کریں یا نہ کریں زندگی اس سے تلاش کرتے ہیں۔ اب دنیا میں جتنے خوراک کے ماہرین ہیں زیادہ سے زیادہ خوراک پیدا کرنے کی تجویزیں سوچتے ہیں اور بڑے بڑے سائنسی مخفی علوم دریافت کرتے ہیں تاکہ انسان کے خوراک کے مسائل حل ہو جائیں۔ حقیقت میں وہ سارے خوراک کے ذخائر تو اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ پس منہ سے کہیں یا نہ کہیں، مانیں یا نہ مانیں اور دنیا ہے ہی نہیں جہاں سے خوراک ڈھونڈ سکیں۔ جو دنیا ہے اللہ کی پیدا کردہ ہے اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی آواز ان کی زبانِ حال سے ہر وقت نکلتی ہے لیکن کیسے بدنصیب ہیں کہ سمجھ کر یہ الفاظ کہنے کی ان کو توفیق نہیں ملتی۔ اور ان کو ملتی ہے جن کے نزدیک روحانی زندگی جسمانی زندگی سے زیادہ اہم ہے۔

اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اس کے ساتھ جو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا لفظ ہے اس میں یہ مضمون بھی داخل سمجھیں کہ جب ہم کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ سارے قرآن کی ماں ہے اور سورۃ فاتحہ میں ہر چیز ہے تو آیت الکرسی اس سے افضل کیسے ہوگئی۔ اصل میں آیت الکرسی کی جان بھی سورۃ فاتحہ ہی میں ہے۔ پس سورۃ فاتحہ کے مقابل پر نہیں کھڑی۔ سورۃ فاتحہ تو زندگی دینے والی ہے اس کے مضامین سے استفادہ کرنے والی آیت الکرسی ہے۔ اور وہ سارے مضامین جو آیت الکرسی میں بیان ہیں ان کا نچوڑ سورۃ فاتحہ میں موجود ہے۔ اس لئے کوئی اس کو تضاد نہ سمجھے کہ کہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ ہی سب کچھ ہے اور کہیں آیت الکرسی کے متعلق فرماتے ہیں کہ سب کچھ یہی ہے۔ کوئی تضاد نہیں ان دو باتوں میں۔ اور اس نکتے سے ہمیں سمجھ آجاتی ہے کہ کوئی تضاد نہیں۔ یہ چابی ہے اس بات کو سمجھنے کی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔

اور فرمایا: "اور القیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے"۔ کیونکہ سہارے کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ جب زندگی حاصل کی اس زندگی کو قائم رکھنے کے لئے سہارا بھی تو چاہئے اور سہارا لفظ

قیوم سے ملتا ہے۔اور لفظ قیوم کا دوسرا اظہار اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے دو لفظوں سے ہوتا ہے۔ زندگی بھی تجھ سے لیتے ہیں، تیرے سوا کوئی زندگی دینے والا ہے ہی نہیں۔ اور اس زندگی کو جب تک تو چاہے گا قائم رکھے گا اور جس حد تک تو چاہے گا قائم رکھے گا۔ اس لئے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن سہاروں سے مدد لی جاتی ہے، سہاروں کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن میں قیوم ہی کا مضمون ہے۔ فرمایا "القیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے اس کو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۵) پس سہارا ہے تو سہی۔ ہر چیز کا وہی سہارا ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تحریر سے اس طرف ہمیں متوجہ فرمایا گیا ہے کہ طلب کیا کرو۔

اب کتنے ہیں جو نماز میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہیں اور لازماً سبھی کرتے ہیں۔ ایک بھی ایسا انسان نہیں جو مسلمان ہو اور نماز پڑھتا ہو اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے۔ مگر اس مضمون کو سمجھ کر ادا نہیں کرتے اور اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ سہارا ہے تو سہی مگر مانگنا بھی پڑتا ہے اور سہارا جتنا مانگو گے اتنا زیادہ سہارا انہیں ملتا چلا جائے گا۔ تمہاری تمام تر ترقی دائمی سہارے سے سہارا طلب کرنے میں ہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ میں نیند اور اونگھ کا ملکیت کے ساتھ ایک گہرا تعلق بیان کرتے ہیں اور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں ہی اس مضمون پر پہلے کچھ بات کر چکا ہوں مگر اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے حوالے سے اس مضمون پر پھر روشنی ڈالتا ہوں۔ اور پھر معذرت کے طور پر عرض ہے کہ یہ روشنی یہ مضمون ہم پر ڈالتا ہے مگر روشنی ڈالنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اسے آپ کے لئے کھول رہا ہوں اس سے زیادہ اس کا اور کوئی مطلب نہیں ہے۔

"حقیقی وجود اور حقیقی بقا"۔ اَلْحَیّ الْقَیُّوم۔ اس کو بظاہر پہلے بیان کرنا چاہئے تھا کیونکہ الحی القیوم کی بحث میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ مالکیت والا بھی مضمون بیان فرمایا ہے اور نیند اور اونگھ والا بھی۔ اس لئے اس عنوان کے تابع میں نے اس کو رکھا ہے۔ "حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفات حقیقیہ خاص خدا کے لئے ہیں۔ کوئی ان میں اس کا شریک نہیں۔ وہی بذاتہ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اس کے ذریعہ سے ہیں۔ اور وہی اپنی ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں"۔ اب لفظ جائز نہیں سے یہ مراد تو نہیں کہ خدا کے لئے بھی کسی نے شریعت بنائی ہوئی ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ خدا کی اپنی شریعت ہے جو اس کی صفات کا نام ہے۔ شریعت دراصل اگر گہرے غور سے دیکھیں تو صفات باری تعالیٰ ہی کے اظہار کا نام ہے۔ تو اللہ اپنے لئے یہ جائز نہیں رکھتا یہ مراد ہے۔ اس کے لئے جائز نہیں یعنی وہ اپنے لئے یہ جائز نہیں رکھتا کہ "ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے"۔ پس موت ہی کی ایک قسم نیند اور اونگھ ہے۔ اس بارہ میں میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔

"جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اسی کا ہے اور اسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے"۔ پس مالک کی یہ تشریح ہے کہ جو کچھ اس سے قیام پذیر ہے اس سے زندہ ہے اس کی لازماً ملکیت بھی اس کی ہو گی پھر۔ اور کوئی مالک ہو ہی نہیں سکتا۔ "جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اسی کا ہے اور اسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے۔ کون ہے جو بغیر اس کے حکم کے اس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے۔ یعنی اس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے"۔ یعنی جو لوگوں کے علم سے غائب ہے لوگوں کے متعلق کہ وہ باتیں جو خود انسان کی اپنی نظر سے غائب ہیں خواہ وہ اپنے متعلق ہوں یا بیرونی دنیا کے متعلق یہ تمام غیوب اس آیت کریمہ میں بیان ہو گئے ہیں۔ "وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے"۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲)۔ اب "بِمَا" کا جو ترجمہ میں نے کیا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ترجمہ بعینہٖ اس کی تائید کر رہا ہے۔ احاطہ تو کر سکتا ہی نہیں مگر اس کا جس قدر وہ چاہے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لمبا اقتباس میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور وہ ہے اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ اَلْحَیّ الْقَیُّومُ لاَ تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ. لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ فرمایا "اب بنظر انصاف دیکھنا چاہئے کہ کس بلاغت اور لطافت اور متانت اور حکمت سے اس آیت میں وجود صانع عالم پر دلیل بیان فرمائی گئی ہے"۔ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ یہ دور لاعلمی کے نتیجہ میں جہالت جو اس وقت دنیا پر چھا گئی ہے اس کے نتیجہ میں، دہریت کا دور ہے۔ لیکن اس آیت میں دہریت کے خلاف ایک ایسی دلیل دی گئی ہے جس کا کوئی رد نہیں ہے، کوئی توڑ نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی آیت سے جو علم کامل کا منبع ہے ہمارے سامنے وہ دلیل کھول دی ہے۔ "بنظر انصاف دیکھنا چاہئے کہ کس بلاغت اور لطافت اور متانت اور حکمت سے"۔ بعض دفعہ بہت بڑی دلیل بیان کی جائے تو اس کے ساتھ ایک جوش بھی آجایا کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کے اندر تو کوئی جوش نہیں ہوتا۔ اس نے دلیل پیش کی ہے فرمایا بڑی لطافت کے ساتھ اور متانت کے ساتھ، وقار کے ساتھ ان باتوں کو بیان فرمایا ہے اور حکمت کے ساتھ۔ اس دلیل میں گہری حکمت ہے جس کو سمجھنا پڑے گا۔ غور سے دیکھو گے تو حکمت سمجھ آئے گی۔ "اس آیت میں وجود صانعِ عالم پر دلیل بیان فرمائی ہے۔ اور کس قدر تھوڑے لفظوں میں معانی کثیرہ اور لطائف حکمیہ کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے"۔ بہت ہی تھوڑے لفظوں میں اتنا عظیم الشان مضمون بیان ہوا ہے کہ کوئی نظیر آپ کو کائنات میں کہیں اور دکھائی نہیں دے گی۔ "اور مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کے لئے ایسی محکم دلیل سے وجود ایک خالقِ کامل الصفات کا ثابت کر دکھایا ہے جس کے کامل اور محیط بیان کے برابر کسی حکیم نے آج تک کوئی تقریر بیان نہیں کی"۔ اب بار بار لفظوں میں اس صورت میں استعمال ہونے والے لفظوں کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ وَلاَ یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ میں جو لفظ احاطہ آیا ہے اس کی طرف اپنے تفسیری بیان میں بھی جگہ جگہ ایسے اشارے کر دئے ہیں کہ انسان چاہے تو اس طرف ذہن منتقل ہو کے مزید اس میں ڈوب کر مزید اس سے استفادہ کر سکے۔

"کسی حکیم نے آج تک کوئی تقریر بیان نہیں کی بلکہ حکماء ناقص الفہم نے ارواح اور اجسام کو حادث بھی نہیں سمجھا اور اس راز دقیق سے بے خبر رہے کہ حیات حقیقی اور ہستیٔ حقیقی اور قیام حقیقی صرف خدا ہی کے لئے مسلّم ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا حادث ہونا سمجھ نہیں سکے۔ جو چیز حادث ہو وہ ہمیشہ سے نہیں ہوتی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان فرمانے کا منشا ہے کہ اجسام کو حادث بھی نہیں سمجھا یعنی یہ بھی نہیں پتہ کہ اجسام حادث ہوتے کیسے ہیں۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلنا چاہئے اور "اس راز دقیق سے بے خبر رہے" یہ مطلب ہے حادث نہ سمجھنے کا "اس راز دقیق سے بے خبر رہے کہ حیات حقیقی اور ہستیٔ حقیقی اور قیام حقیقی صرف خدا ہی کے لئے مسلّم ہے"۔

یہ وہ دلیل ہے جس کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ اب دو تین منٹ میں جتنا خطبے کا وقت ہے میں اتنے حصہ کو آپ کے سامنے کھول کر بیان کر دیتا ہوں۔ "حقیقی طور پر زندگی اور بقاء زندگی صرف اللہ کے لئے حاصل ہے جو جامع صفات کاملہ ہے۔ اس کے بغیر کسی دوسری چیز کو وجود حقیقی اور قیام حقیقی حاصل نہیں اور اسی بات کو صانع عالم کی ضرورت کے لئے دلیل ٹھہرا لیا"۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم)

اب حادث وہ ہوتا ہے جو وقوع پذیر ہو اور ابدی نہ ہو اور اگر وقوع پذیر ہونے والی چیز اپنی ذات میں بہت پیچیدگیاں رکھتی ہے اور بہت گہرائی رکھتی ہے اور بڑی عظیم الشان ترکیب رکھتی ہے تو حادث ہو ہی نہیں سکتی سوائے اس کے کہ کوئی اور اس کو پیدا کرے۔ پس جب ساری کائنات حادث ہے تو یہ اس حادث ہونے کا مطلب بھی تو سمجھو کہ پہلے نہیں تھی۔ جب نہیں تھی اور وجود میں آئی تو اس طرح وجود میں آئی کہ اس کے اندر بہت سی پیچیدگیاں ہیں اور ترکیب ہے اور ترتیب ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے اس سے پہلے کسی صاحب حکمت وجود کا ہونا لازمی ہے جو گہرائی کے ساتھ ان باتوں کو سمجھتا ہے جو باتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ ورنہ انکو سمجھے بغیر اس میں داخل ہی نہیں کر سکتے۔ کوئی پینٹر کوئی پینٹنگ ایسی نہیں کر سکتا، لغو بچوں والی پینٹنگ تو اور بات ہے مگر جو حقیقی پینٹنگ ہے اس کو سمجھنے والا بھی وہ اعلیٰ درجہ کا پینٹر ہی ہوتا ہے کیونکہ پینٹ کرتے وقت اس کے ذہن میں جو باتیں ہیں وہ دیکھنے والا پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ لیکن مضمون بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض دفعہ آرٹ گیلریوں میں ایک ہی تصویر کے سامنے بعض لوگ بیٹھے رہتے ہیں سارا دن وہیں گزار دیتے ہیں اور سیر کرنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بیٹھے کیوں ہیں۔ وہ گزرتے چلے جاتے ہیں حالانکہ وہاں ٹھہرنے سے جو مضامین سمجھ آسکتے ہیں وہ گزرنے سے نہیں آسکتے۔ اس سلسلہ میں میں اگلے حوالے کے تعلق میں ایک دانشور کی بات بھی بیان کروں گا جس کا اسی مضمون سے گہرا تعلق ہے مگر اب چونکہ وقت ختم ہو رہا ہے اسلئے انشاء اللہ باقی باتیں اگلے خطبہ کے لئے رکھ لیتا ہوں اور اس میں اس آیت کریمہ سے تعلق رکھنے والی باتیں انشاء اللہ بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ وما تشاء ونَ اِلاَّ اَنْ یَشَآءَ اللّٰہ ربّ العَالمِین۔ کہ تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے کہ وہ چاہے۔ پس اگر اللہ نے چاہا تو انشاء اللہ میں اگلے جمعہ میں باقی حصہ مضمون کا بیان کروں گا۔ السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته۔